ڈاکٹر سید محمد مثنیٰ رضوی

ابن مسکویہ کا فلسفہ اخلاق

فلسفہ اسلام کی تاریخ میں جن حکماء اور مفکرین کو نمایاں حیثیت حاصل ہے ان میں ابن مسکویہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ابن مسکویہ کے افکار وخیالات پر فارابی سے زیادہ کندی کا اثر محسوس ہوتا ہے لیکن فارابی کی طرح ابن مسکویہ پر بھی یونان کی حکمت بالخصوص ارسطو کے فلسفیانہ تصورات کا گہرا اثر تھا۔اس لئے یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ وہ فارابی کے اثر سے بالکل محفوظ تھا۔ابن مسکویہ فلسفہ اسلام کی دنیا میں اپنے نظریہ اخلاق کے لئے خاص طور پر مشہور تھے۔ مشرق میں اس کا ذکر آج تک بڑے احترام سے کیا جاتا ہے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک ممتاز ادیب، بلند پایا متکلم اور اعلیٰ درجے کا مفکر تھا لیکن اس کے افکار میں مرکز اور بنیادی حیثیت اس کے فلسفہ اخلاق ہی کو حاصل ہے۔

ابن مسکویہ کا نام احمد اور کنیت ابو علی ہے۔[1] ان کے باپ کا نام محمد تھا اور دادا کا نام یعقوب۔ کہا جاتا ہے کہ یعقوب پہلے مجوسی تھے بعد میں ایمان لائے اور مسلمان ہوگئے۔ان مسکویہ کی ولادت کب اور کہاں ہوئی اس کے بارے میں کوئی بات یقین کے ساتھ نہیں کہی جاسکتی لیکن چونکہ ابن عمید کے دربار سے ان کی وابستگی عنفوان شباب میں ہوئی تھی اور یہ تعلق ۳۵۲ھ کے بعد ہوا تھا اس لئے قرین قیاس یہی تھا کہ وہ ۳۲۵ھ اور ۳۳۰ھ کے درمیان کسی سنہ میں پیدا ہوئے ہوں۔انھوں نے لمبی عمر پائی اور نوصفر ۴۲۱ھ کو ان کا انتقال ہوا۔[2] انھوں نے اپنے قصیدوں میں اپنے بڑھاپے کا تذکرہ کیا۔

فطاب لی هرمی والموت یلخطنی لخطا المعریب ولو لاانت لم یطب

(میرا بڑھاپا اچھی حالت میں گذرا، حالانکہ موت میری تاک میں ہے، اگر تو نہ ہوتا تو وہ اچھی حالت میں گزرتا)

ابن مسکویہ کی زندگی کا ابتدائی دور میں گزرا۔ اس زمانے میں ان کو علمی کاموں سے کوئی

دلچسپی نہیں تھی۔ ان کو بعد میں اس بات کا بڑا رنج اور افسوس تھا کہ کے قیام کے زمانے میں ابو القاسم الکاتب غلام ابی الحسن جیسے علم منطق کے ماہر سے بھی کوئی استفادہ نہیں کیا۔ انھوں نے ابو سلیمان منطقی کو بھی دیکھا تھا لیکن ان کے علم و فضل سے بھی انھوں نے کچھ نہیں حاصل کیا۔ ان کی دلچسپی زیادہ تر کیمیا سازی سے تھی۔ مورخوں کا خیال ہے کہ ابن مسکویہ جن دنوں شیراز میں عضد الدولہ کے قائم کردہ کتب خانے کے نگراں اور مہتمم تھے۔ اسی زمانے میں انھوں نے اپنے ذاتی مطالعے اور لگن سے علم و فضل میں کمال حاصل کیا۔ ان کا تعلق ہمیشہ ارباب حکومت سے رہا۔ دیلمیوں کی سلطنت تین حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ تین بھائی ان پر الگ الگ حکومت کرتے تھے۔ ابن مسکویہ تینوں حکومتوں کے ارباب اقتدار سے ربط و تعلق رکھتے تھے۔ اس زمانے میں فصاحت و بلاغت اور انشاء پردازی سے مراد سلاطین کو بڑی دلچسپی تھی اور ابن مسکویہ کو ان میں کمال حاصل تھا اس لئے دربار شاہی سے ان کا تعلق بالکل فطری تھا۔ عضد الدولہ کے انتقال کے بعد ابن مسکویہ نے ابن عمید کے دربار میں بھی بڑی مقبولیت حاصل کی ان کی یہ قدر و منزلت آخر تک قائم رہی۔ ان کو اپنی علمی حیثیت جاہ و منصب کی برتری اور اخلاقی مرتبے کا شدت سے احساس تھا۔ چنانچہ انھوں نے کئی بار صاحبان اقتدار کی دعوت اور پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردیا اور اپنی خودداری کے دامن کو داغدار نہیں ہونے دیا۔

اپنے معاصرین میں شیخ ابو علی سینا سے ان کے خصوصی تعلقات تھے۔ ان دونوں میں اکثر علم و حکمت کے مسائل پر بحث و مباحثہ ہوا کرتا تھا۔ اس مسئلے میں ایک دلچسپ واقعے کا ذکر کرنا مناسب نہ ہوگا۔ ابن مسکویہ اپنے تلامذہ کو درس دے رہا تھا کہ شیخ پہنچا۔ اس نے ابن مسکویہ کی جانب ایک اخروٹ پھینکا اور ایک مخصوص طریقے سے اس کی پیائش کرنے کے لئے کہا۔ ابن مسکویہ کو یہ انداز ناگوار ہوا۔ انھوں نے شیخ سے کہا کہ پہلے اپنے اخلاق کی اصلاح کیجئے پھر میں اخروٹ کی پیائش کروں گا۔ (شہر زوری ۲۴)

دربار شاہی سے وابستہ رہنے کے باعث ابن مسکویہ کا عہد شباب تمام ترعیش و عشرت میں گزرا لیکن عمر کے ڈھلنے اور علم و فن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ ان کی توجہ آہستہ آہستہ انسانی اخلاق کی عظمت اور خوبی کی طرف زیادہ مبذول ہوتی گئی۔ چنانچہ، تہذیب الاخلاق میں اس نے اس پہلو کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

"جس شخص کے باپ نے اس کی تربیت اس طرح کی ہو کہ وہ فخر اشعار کی روایت کرے، ان کی جھوٹ باتوں کو قبول کرے، ان میں جو برائیاں اور لذت پرستی کے طریقے ہیں ان کو پسند کرے جیسا کہ امرالقیس اور نابغہ وغیرہ کے اشعار میں پائی جاتی ہیں۔ پھر اس کے بعد ان کو ایسے رؤسا کی صحبت حاصل ہو جو ان اشعار کی روایت یا ایسے ہی اشعار کہنے پر اس کو اپنا مقرب بنائیں اور اس کو عطیے دیں، پھر ایسے دوستوں سے اس کو سابقہ پڑے جو لذت پرستی میں اس کی اعانت کریں اور اس طرح اس کا میلان اچھے کمانے پہننے، سواریوں کی زیب و زینت، قومی گھوڑوں اور عمدہ غلاموں کی طرف ہو جائے۔ جیسا کہ بعض اوقات مجھ کو ہوا، پھر وہ ان چیزوں میں منہمک ہو جاتے اور وہ جس سعادت کا اہل ہے اس سے منہ موڑ لے تو اس کو چاہئے کہ ان کو بدبختی سمجھے، نعمت نہ سمجھے، نقصان سمجھے فائدہ نہ سمجھے، اور آہستہ آہستہ ان کو چھوڑنے کی کوشش کرے، اگرچہ بہت مشکل ہے، لیکن باطل میں پڑے رہنے سے بہر حال بہتر ہے، اس کتاب کے پڑھنے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ میں نے بتدریج بڑے ہونے اور عادت کے مستحکم ہو جانے کے بعد ان چیزوں کو چھوڑا ہے، اور اس معاملے میں اپنے نفس سے بڑا جہاد کیا ہے، پس اے وہ شخص جو فضائل کی جستجو کر رہا ہے، اور ادب حقیقی کا طالب ہے۔ میں نے تیرے لئے وہی فضائل پسند کیے ہیں جن کو میں نے اپنے لئے پسند کیا ہے، بلکہ تیری نصیحت میں میں اس سے آگے بڑھ گیا ہوں، اور ایسے فضائل کی طرف اشارہ کیا ہے جو ابتداء میں مجھ کو حاصل نہ ہو سکے تاکہ تو اس کو حاصل کر سکے"[۱۳]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ابن مسکویہ نے اخلاقی اور روحانی تہذیب و تربیت کے لئے زبردست ریاض اور جدوجہد کی۔ ان کے وصیت نامے سے قول و عمل کی ہم آہنگی کا اندازہ ہوتا ہے۔

ابن مسکویہ نے ریاضیات، طبعیات، الٰہیات، کیمیا، منطق، طب، فلسفہ غرض کہ تمام مروجہ علوم پر رسالے لکھے۔ لیکن حکمت کے جس شعبے کی طرف اس نے خاص طور پر اپنی توجہ مبذول کی وہ فلسفہ اخلاق ہے۔ دراصل وہ یونان کے عظیم المرتبت فلسفی ارسطو کی ان تحریروں سے بے حد متاثر تھا جو انسان کے اخلاقی پہلوؤں سے بحث کرتی ہے اور نفس کی اصلاح و تہذیب پر زور دیتی ہیں۔

انھوں نے فلسفے کے درس و تدریس اور تعلیم کی ابتداء منطق، استدلال، برہان اور استخراج

کے بجائے مسائل اخلاق کے مباحث سے کی کیونکہ ان کا خیال یہ تھا کہ طالب علم کا نفس جب تک تربیت یافتہ اور مہذب نہیں ہوگا اس میں فلسفیانہ نکات کو قبول کرنے اور جذب کرنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہو سکتی۔

ابن مسکویہ نے فلسفہ اخلاق کے باب میں جو کتابیں تصنیف کیں ہیں ان میں سے چند اہم کتابوں کے نام اس طرح ہیں۔(۱) کتاب ترتیب والسعادات (۲) کتاب السیہ (۳) الفوز الاصغر (۴) الفوز الاکبر (۵) کتاب آداب العرب والفرس (۶) تہذیب الاخلاق۔[۴]

ان کتابوں کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ابن مسکویہ کے فلسفہ میں شرح اسلامی کی تعلیمات کے ساتھ ساتھ ارسطو اور افلاطون کے تصورات کے اثرات بھی ملے جلے ہیں۔اس نے اپنے فلسفہ اخلاق کا آغاز نفس کی حقیقت اور ماہیت کے ذکر سے کیا ہے۔اسکی نظر میں انسان کے اندر ایک مستقل اور لطیف جوہر ہے جو نہ تو جسم رکھتا ہے اور نہ عرض۔اس میں ایسی صفات اور خصوصیات پائی جاتی ہیں جو انسان کو دوسرے حیوانوں سے الگ اور ممتیز کرتی ہیں۔نفس انسانی اپنے وجود اور اپنے علم و عمل کا شعور رکھتا ہے روح کا علم و عمل تمام عالم محسوسات سے بدرجہا وسیع ہے روح ایک ایسے ذہنی اور معقول علم کی حامل ہے جس کی مدد سے وہ حق و باطل میں امتیاز کرتی ہے اور حواس کی نگرانی اور پاسبانی کرتی ہے۔ ابن مسکویہ کے نزدیک انسانی روح دوسرے حیوانوں کی روح سے اس بنا پر ممتاز ہے کہ مقبولیت پر مبنی غور و فکر کو زندگی بسر کرنے کا ضابطہ اور دستور بتاتی ہے۔جس کا اصل مقصد حصول خیر ہے۔خیر کے ذریعے انسان اپنی زندگی کا مقصد حاصل کرتا ہے یا اس کی تکمیل کو منزل تک پہنچاتا ہے۔سرشت کی بنیاد پر انسانوں کے درمیان طبائع کا اختلاف فطری ہے لیکن ایسے لوگ جو اپنی زندگی کی ابتدائی منزل میں نہ تو نیک ہوتے ہیں اور نہ بد۔آگے چل کر صحبت اور تعلیم و تربیت کے اثر سے دونوں میں سے کوئی ایک اثر قبول کر لیتے ہیں۔اچھی صحبت اور اچھی تعلیم و تربیت نفس کی تہذیب و اصلاح کا کام کرتی ہے۔

مجموعی طور پر ابن مسکویہ کے نزدیک ایک اچھا یا نیک انسان کہلانے کا وہ مستحق ہوتا ہے جس کے اعمال اور افعال انسانیت کے آدرش اور معیار کے مطابق ہوتے ہیں۔یہ سچ ہے کہ نیکی یا اچھائی انسان کی مخصوص اور امتیازی صفت ہے لیکن سبھی انسان ایک جیسے نہیں ہوتے۔لازمہ انسانیت

ہونے کے باوجود مختلف انسانوں میں نیکی کے درجے مختلف ہوتے ہیں۔ اور اسی وجہ سے یہ اچھائی یا سعادت سب کے لئے یکساں نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں ابن مسکویہ نے انسان کی سماجی زندگی سے اخلاق کے بنیادی تعلق پر مفصل بحث کی ہے اور بڑے مفید نتائج نکالے ہیں۔

ابن مسکویہ کی نظر میں جو شخص بنی نوع انسان سے الگ رہ کر تنہائی میں بسر کی جانے والی زندگی کا انتخاب کرے گا اس کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ تمام نیکیوں کو حقیقت کی شکل میں ڈھال سکے۔ اس سے یہ حقیقت پوری طرح روشن ہو جاتی ہے کہ ابن مسکویہ کے نزدیک نیکی، خیر اور سعادت کی بنیاد بنی نوع انسان کی محبت ہے۔ انسانیت کی تکمیل معاشرتی زندگی میں ہی ممکن ہے۔ انسانی محبت اور معاشرت دونوں کو ابن مسکویہ لازم و ملزوم سمجھتے ہیں۔ بنی نوع انسان کی محبت کے بغیر انسانی سماج کا تصور ممکن نہیں اور معاشرے کے بغیر انسانی محبت کا تصور بے معنی ہے۔ انسان جب دوسروں کے ساتھ رہ کر زندگی بسر کرتا ہے تب ہی اس کی شخصیت اعلیٰ مدارج طے کر کے اس جانب گامزن ہوتی ہے جس کو ہم شخصیت کی تکمیل کہتے ہیں۔ ابن مسکویہ کے تصور اخلاق پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ فلسفہ اخلاق دراصل معاشرتی اخلاق کا نظریہ یا علم ہے۔ محبت، خدمت، ایثار اور دوستی بلکہ یوں کہیے کہ ہر نیکی یا سعادت کے عملی اظہار کا موقع صرف سماجی زندگی یا مدنی جماعت کے اندر ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ معاشرتی زندگی سے اپنے کو علیحدہ کر لینا اور دنیاوی زندگی کو ترک کر دینا سعادت، خیر اور نیکی کی منزل پالینا ہے۔ ان کو یہی نہیں معلوم کہ اعمال کی حقیقت اور ماہیت کیا ہے؟ ہو سکتا ہے کہ زندگی بسر کرنے کا یہ راہبانہ طریقہ کسی روحانی یا مذہبی دائرہ میں لایا جاسکے لیکن یہ کسی نظریہ اخلاق کا موضوع ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ان کو کسی طور سے اخلاقی نہیں کہا جاسکتا۔ مختصر یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابن مسکویہ کے نزدیک فلسفہ اخلاق معاشرتی زندگی اور متمدن جماعت کے اندر ہی معرض وجود میں آسکتا ہے۔

اپنے نظریہ اخلاق کی تشریح اور وضاحت کرتے ہوئے ابن مسکویہ اس بات پر بہت زور دیتے ہیں کہ اگر شرع اسلامی کے صحیح اور مفہوم کی تحلیل اور تجزیہ کے بعد پوری طرح سمجھ لیا جائے تو یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہو جائے گی کہ بنی نوع انسان کی معاشرتی قدروں اور سماجی آدرشوں کے ساتھ وہ مکمل طور پر ہم آہنگ اور مربوط ہیں۔ جس طرح علم الاخلاق نوع انسانی کی مدنی اور معاشرتی

زندگی کو محبت اور اخوت کی بنیاد پر خوب سے خوب تر بنانے پر زور دیتا ہے اسی طرح شرعی اعتبار سے مذہب بھی عام انسانوں کی اخلاقی تعلیم وتربیت کا کام انجام دیتا ہے۔ شرعی احکام کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسانی برادری میں محبت کی بنیاد کو زیادہ سے زیادہ استوار کیا جائے اور اس کے دائرہ کو زیادہ سے زیادہ وسعت دی جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابن مسکویہ کی برابر یہ کوشش رہی ہے کہ یونانی فلسفہ اخلاق کی تعلیم کو وہ اسلامی شریعت کے احکام کے باہمی ربط وہم آہنگی کو واضح کر سکے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس کوشش میں ابن مسکویہ نے ایک دقیق اور جامع فلسفہ اخلاق پیش کر دیا ہے جسے اسلام کے نظریہ اخلاق کی فلسفیانہ اور حکیمانہ توضیح وتشریح کہا جاسکتا ہے۔

عدالت، عفت، شجاعت اور ان سے پیدا ہونے والی تمام اخلاقی خوبیوں سے انسانی نیکی حاصل ہوتی ہے علم الاخلاق کے ان بنیادی نکتوں پر ابن مسکویہ نے کافی غور وفکر کے بعد معنی خیز نتائج نکالے ہیں لیکن عدالت کے تصور پر انھوں نے جس باریکی اور گہرائی سے بحث کی ہے وہ کچھ اسی کا حصہ ہے۔ اس کے قول کے مطابق عادل صحیح معنی میں وہی شخص ہے جو غیر تساوی ہے جو غیر چیزوں میں مساوات پیدا کرے لیکن اس کے لئے سب سے پہلے اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ وسط کیا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنے جائز حق سے زیادہ حاصل کر لے تو یہ زیادتی ہے اور اگر جائز حق سے کم لے تو یہ نقصان ہے۔ ان دونوں کے درمیان کا درجہ اوسط ہے جس کا تعین شریعت کے ذریعے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ابن مسکویہ نے محبت کے تصور پر بھی مفصل بحث کی ہے۔ اس کا خیال ہے کہ اگر کسی معاملے کے مختلف فریقوں کے درمیان باہم محبت کارفرما ہو تو عدل اپنے آپ پیدا ہو جائے گا۔ ابن مسکویہ نے اس سلسلے میں محبت کے اقسام سے مفصل بحث کی ہے اور فضائل اخلاق کی تجدید، تقسیم اور تفصیل کے ساتھ ساتھ اخلاقی برائیوں کے دور کرنے اور ان سے نجات پانے کے طریقوں پر بھی بحث کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان کو ہمیشہ اپنے اعمال پر غور وفکر کرتے رہنا چاہئے کیونکہ اکثر انسان سے ایسی غلطیاں صادر ہوتی ہیں جنہیں عدل وتمیز کبھی گوارا نہیں کر سکتی۔ اور اگر غور وفکر کرنے کی عادت مستقل طور پر ڈالی جائے تو اخلاقی تحفظ عین ممکن ہے۔ اس طرح بہت سارے غلط اعمال اور افعال سے بچنے کی تدبیر پیدا ہو جاتی ہے۔

ابن مسکویہ نے فضائل اخلاق کے سلسلے میں اصلاح نفس کے طریقہ کار پر بہت زور دیا ہے۔ ان کے نزدیک اگر انسان اپنے دوستوں اور اپنے ملنے والوں کی کمزوریوں پر اچھی طرح نظر رکھے اور ان سے اپنی ذات کو محفوظ رکھنے کی کوشش کرے تو یہ اخلاقی بہتری کے لئے ایک مفید اور عمدہ طریقہ کار ثابت ہو سکتا ہے اس نے اخلاقی برائیوں کو آٹھ قسموں میں تقسیم کیا ہے جب روح انسانی بیمار ہو جاتی ہے تو اخلاقی طور پر جن امراض کا شکار ہوتی ہے وہ ان ہی آٹھ میں شامل ہیں۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے اگر انسان اصلاح نفس کے طریقہ کار کو اپنائے یعنی اپنے احباب اور اعزا کے غلط اور خراب اعمال کا جائزہ کڑی نظر سے لیتا رہے تو وہ ان اخلاقی امراض سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

اس مختصر اور سرسری جائزہ سے کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے کہ فلسفے کی تاریخ میں بالخصوص فلسفہ اسلام کی تاریخ میں اپنے نظریہ اخلاق کی بنیاد پر ابن مسکویہ کو ایسا اعلیٰ وارفع مقام حاصل ہے جسے ماہ و سال کی گردش کبھی کم نہیں کر سکتی بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ جیسے جیسے اہل علم کی نظر اس کے فلسفہ اخلاق کے رقیق نکتوں پر پڑتی جائے گی انسانی فکر و حکمت کی تاریخ میں ابن مسکویہ کی اہمیت بڑھتی جائے گی۔

حوالے:

۱۔ ابن مسکویہ کو ابو علی مسکویہ بھی کہتے ہیں۔

۲۔ ۴۲۱ھ (فرہنگ ادبیات فارسی دری ۲۷)۔

۳۔ تہذیب الاخلاق: ۶۱۔۶۰

۴۔ ان کے علاوہ الطہارۃ فی علم الاخلاق و کتاب فی جواب المسائل الثلث اور جامر یدان خرو کا بھی نام لیا جاتا ہے۔ تاریخ میں اس کی کتاب "تجارب الامم" بے حد مشہور ہے (فرہنگ ادبیات فارسی دری: ۲۸)

❁❁❁